© rasailojaraid.com

ملائشیا میں قومی تعمیر اور اسلام[10]

جودتھ ناگاٹا*

ملائشیا نے ۱۹۵۷ء میں آزادی حاصل کی تو اپنا پرانا نام "ملایا" برقرار رکھا جو چھ سال تک باقی رہا۔ ۱۹۶۳ء میں شمالی بورنیو کی ریاستیں صباح اور سراوک وفاق میں شامل ہوئیں تو مشرقی ملائشیا کہلائیں اور خود جزیرہ نما ملایا کو مغربی ملائشیا کہا جانے لگا اور پورا ملک ملائشیا کہلایا۔ ملک میں سلطانی جمہوریت کا نظام رائج ہے جس کے مطابق نو ریاستوں کے سلطانوں میں سے ہر پانچ سال بعد باری باری ایک کو بادشاہ منتخب کیا جاتا ہے۔

آج ملائشیا تیزی سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ حکومت کا پروگرام ہے کہ اگلی صدی کے پہلے دو عشروں میں اسے مکمل طور پر ایک صنعتی ملک بنا دیا جائے۔ مادی ترقی کی یہ دوڑ اپنی جگہ، لیکن نفسیاتی طور پر ملائشی قوم اپنی شناخت کے سلسلے میں ایک سہ طرفی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ایک طرف شاہی خاندان ہے، دوسری طرف اسلامی قوتیں اور تیسرا فریق حکومت اور ان قوتوں پر مشتمل ہے جو خود کو دین کا علمبردار بھی کہتی ہیں لیکن مذہب کے نام پر کسی ایسے نظریے کو قبول کرنے کو تیار نہیں جو مادی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ پورے ملک کا مجموعی مزاج دینی ہے اس لئے ہر فریق اپنی پالیسیوں اور سرگرمیوں کو عوام میں مقبول بنانے کیلئے اس بات پر مجبور ہے کہ قرآن و حدیث سے سند لائے اور علماء کے ایک گروہ کو اپنا ہمنوا بنائے۔

اسلام کی آمد سے پہلے ملائشیا میں مطلق العنان بادشاہت قائم تھی۔ بادشاہ مذہبی عقیدتوں کا مرکز بھی تھا اور ریاستی معاملات میں مطلق العنان سربراہ بھی۔ مسلمان پہلے پہل یہاں آئے تو ان کی سرگرمیاں تجارتی معاملات اور علم کے فروغ تک محدود تھیں۔ یہاں کے راجہ اگرچہ تجارت میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے لیکن تاجروں کے ہمراہ آنے والے علماء اور اساتذہ کا بھی احترام کرتے تھے۔ ان علماء نے شہروں کے مضافات میں دینی مدارس قائم کیے جن سے نہ صرف بچوں کو تعلیم کے مواقع حاصل ہوئے بلکہ علماء کو قصباتی سطح پر سیاسی اہمیت بھی حاصل ہوئی۔ باہمی شادیوں نے مشرق وسطیٰ سے آنے والے علماء اور شاہی خاندانوں میں مزید قربت پیدا کی۔

ابتدا میں شاہی خاندان کے افراد ہر قسم کی تنقید سے بالاتر تھے۔ عام آدمی کو درحقیقت کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔ اسلام اپنے ساتھ بیداری کا شعور بھی لایا اور بیسویں صدی

(تلخیص : کرنل اشفاق حسین)

*Judith Nagata, The Muslim world, April 1997.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے آغاز سے عوام کو اپنی اہمیت کا احساس ہونا شروع ہوا۔ عوام کیلئے آواز اٹھانے والوں میں حضرموت (موجودہ یمن) اور مسلم انڈیا سے آنے والے تاجر اور دانشور شامل تھے جو برطانوی نو آبادیوں پینانگ اور سنگاپور میں مقیم تھے اور اس طرح ملائشیا کی نو سلطنتوں کی دسترس سے آزاد۔ انہوں نے پرنٹ میڈیا سے کام لیتے ہوئے راجاؤں کی مطلق العنانیت کو چیلنج کیا اور عام آدمی کو وطنیت کا نیا تصور دیا جس کے مطابق وہ اپنی نگری کے پار رہنے والوں کے ساتھ مل کر "امت" میں شامل ہو سکتے تھے۔

برطانوی انتظامیہ کے تحت ملائشیا کی تمام راجدھانیوں میں بیوروکریسی کو اثرورسوخ حاصل ہوا۔ اگرچہ ہر راجدھانی میں شریعت کے نفاذ کیلئے عدالتیں قائم رہیں لیکن برطانوی استعمار نے بڑی چالاکی سے سیکولر قوانین نافذ کئے اور شرعی عدالتیں ذاتی اور رسمی کاروائیوں تک محدود کردی گئیں۔ اسلام کے تعزیراتی قوانین بالکل معدوم ہو کررہ گئے اور پھر یہ فطری بات تھی کہ حکمران جو ملائی مذہب اور روایات کے امین بھی تھے' خود اپنی سلطنتوں میں بے اختیار ہو کررہ گئے۔ اس دوران برطانوی انتظامیہ نے مسجدوں' مدرسوں اور خیراتی اداروں کو اوقاف کے زیر انتظام لے کر مذہبی عدالتوں کا دائرہ اور بھی محدود کر دیا۔

۱۹۵۷ء میں آزادی کے بعد قومی تشخص کا مسئلہ بڑے زور و شور سے اٹھا۔ اس وقت ملائشیا میں تین قومیتیں موجود تھیں۔ نسلی ملائی' چین اور انڈیا سے ہجرت کر کے آنے والے غیر ملائی جو مجموعی طور پر ملایا کے اصلی باشندوں سے کچھ ہی کم تھے۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی مردم شماری کے مطابق چینی مسلمان ۵۳ فیصد' انڈین مسلمان ۱۱ فیصد' عرب اور تھائی مسلمان ۲ فیصد تھے۔ تاہم ۱۹۹۰ء کی مردم شماری کے مطابق ملائشیا کے اصلی باشندوں کا تناسب ۵۸ فیصد تک بڑھ چکا تھا۔

آزادی کے فوراً" بعد پہلا مسئلہ یہی تھا کہ نئی ریاست کا اصلی ملائی باشندہ کسے کہا جائے۔ زبردست بحث و تمحیص کے بعد شہریت کیلئے تین شرائط مقرر کی گئیں: ا۔ وہ ملائی روایات کا پابند ہو ۲۔ ملائی زبان اس کی مادری زبان ہو ۳۔ مسلمان ہو۔

بہت سے پیشوں' تعلیمی اداروں' سرمایہ کاری اور تربیتی پروگراموں میں ملایا کے اصلی شہریوں کا ایک خاص کوٹہ مقرر ہے۔ آئین کے مطابق وزیر اعظم اور تمام ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ بھی صرف اصلی ملائی باشندے ہو سکتے ہیں۔

جب ملائشیا میں ملائی اور غیر ملائی باشندوں میں ایک کشمکش برپا تھی تو اردگرد کے ممالک میں ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات یہاں تک بھی پہنچے۔ مصر کے سید قطب' حسن البنا اور اخوان'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایران کے علی شریعتی اور پاکستان میں مولانا مودودی کی جماعت اسلامی نے ملائشیا کی نوجوان نسل کو خاص طور پر متاثر کیا۔ وہ نوجوان جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے ملک سے باہر گئے ان کے ذہنی افق وسیع ہوئے اور قومیت کی محدود تعریف سے نکل کر انہیں لیبیا، پاکستان، الجیریا، فلسطین اور جنوبی فلپائن میں ہونے والی سرگرمیوں سے آگاہی حاصل ہوئی۔ یہ نوجوان ملائشیا واپس آئے تو شہریت کی آئینی تثلیث میں مذہب نے زبان اور ملائی روایات پر فوقیت حاصل کرلی اور ملک میں مختلف اسلامی تحریکوں نے جنم لیا جنہیں مقامی طور پر "دکواہ" کہتے ہیں۔ان میں نمایاں ترین تین تحریکیں تھیں۔

۱۔ ملائشین مسلم یوتھ لیگ جو اصل میں انگکتان بیلیا اسلام ملائشیا (ABIM) کا ترجمہ ہے۔ اس کی داغ بیل ایک ملائی طالب علم انور ابراہیم نے ڈالی تھی جو ابتدا میں تو ملائی زبان کی برتری کیلئے سرگرم تھا لیکن پھر اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اس نے نسلی تفاخر کو ترک کر دیا۔ ۱۹۷۰ء کے بعد اس تنظیم نے طلبہ کی ایک پوری نسل کو متاثر کیا اور تعلیمی اداروں میں کھلے عام نمازیں پڑھی جانے لگیں۔ نوجوانوں نے شراب نوشی سے پرہیز شروع کیا اور روزے رکھنے لگے۔ طالبات نے لباس کے معاملے میں اسلامی شعائر کو اپنانا شروع کیا۔ اس سے پہلے ملک میں خواتین کے جو فیشن رائج تھے ان میں عریانیت نمایاں تھی لیکن اب ستر پوشی، گاؤن بلکہ نقاب تک کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ عام ملاقاتوں میں اسلامی طریق سے علیک سلیک اور الوداع کے وقت عربی الفاظ کا استعمال بھی عام ہوا ہے۔

۱۹۸۲ء میں انور ابراہیم نے وزیراعظم مہاتیر کے اصرار پر ملک کی حکمران جماعت یونائیٹڈ ملا ئیز نیشنل آرگنائزیشن (UMNO) میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ پارٹی سیکولر جماعت ہے۔ انور ابراہیم کے جانے سے ABIM کو خاصا دھچکا لگا ہے لیکن حکمران پارٹی کو اپنی سرگرمیوں کو اسلامی رنگ دینے کیلئے ایک قابل اعتماد آدمی مل گیا ہے۔

ملائشیا کی ایک اور تحریک تبلیغی جماعت ہے۔ اس کا زیادہ تر کام مردوں میں ہے اور یہ سیاست سے کنارہ کش رہتی ہے۔

تیسری اہم تحریک جو نمایاں بھی ہے اور متنازع بھی، "الارقم" ہے۔ اس کے بانی استاذ اشعری ہیں جو پہلے ایک قصبے میں دینیات کے استاد تھے۔ ۱۹۶۷ء میں انہوں نے دارالحکومت کے نزدیک ایک گاؤں سنگئی پنسالا میں ایک بستی قائم کی جو ان افراد پر مشتمل تھی جو دور صحابہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کے خواہش مند تھے۔ ۱۹۹۴ء تک ایسی بستیوں کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ یہ خود کفیل بستیاں ہیں جو خاص خاص شعبوں میں مہارت رکھتی ہیں مثلاً زراعت' افزائش حیوانات' ٹیکسٹائل' خواتین کا آرائشی سامان (کاسمیٹکس)' دستکاریاں' حلال خوراک کی فراہمی۔ کچھ ارکان خاص خدمات جیسے ڈاکٹری' وکالت' اکاؤنٹس' کمپیوٹر میں مہارت' کتابوں کی اشاعت' فلموں کی پروڈکشن وغیرہ کے کام انجام دیتے ہیں۔ تحریک کے جو ہمدرد ان بستیوں میں نہیں رہ سکتے وہ اپنی تنخواہوں کا کچھ حصہ بطور اعانت ادا کرتے ہیں۔

الارقم کا ایک باقاعدہ بزنس نیٹ ورک ہے۔ یہ اپنے برانڈ کی مصنوعات تیار کرتے ہیں اور کمپیوٹر گرافکس اور اپنے فلم سٹوڈیوز کے ذریعے ان کی تشہیری فلمیں تیار کرتے ہیں۔ ان کی مصنوعات نہ صرف ملائشیا میں مقبول ہیں بلکہ تھائی لینڈ' سنگاپور' انڈونیشیا اور فلپائن کو بھی برآمد کی جاتی ہیں۔ ان کے نئے اہداف میں جنوب مغربی چین' وسطی ایشیا کی ریاستیں بالخصوص ازبکستان شامل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق کاروبار میں الارقم کا سرمایہ دس لاکھ امریکی ڈالروں کے برابر ہے اور ان کے تاجر تاشقند' ازبکستان' برطانیہ اور پاکستان میں کئی دوکانوں اور مکانوں کے مالک ہیں۔

یہ حیران کن معاشی کامیابی ہے اور اس سلسلے میں الارقم نے حکومت سے کسی قسم کی کوئی امداد یا قرض حاصل نہیں کیا۔ الارقم سے متعلقہ خواتین بھی سختی سے اسلامی اصولوں کی پابندی کرتی ہیں۔ وہ مکمل پردہ کرتی ہیں۔ مردوں نے چار چار شادیاں کر رکھی ہیں۔ کچھ تو الگ الگ بستیوں میں رہتی ہیں اور کچھ ایک ہی جگہ۔ ایسا نہیں ہے کہ الارقم کی خواتین گنوار یا اجڈ ہیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ کئی ایک مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں پڑھی ہوئی ہیں اور مغربی عادات و اطوار سے خوب واقف ہیں۔

حکومت کو الارقم سے خطرہ محسوس ہوا تو سرکاری شرعی عدالتوں نے اس کے خلاف فتوے جاری کئے اور ۱۹۹۴ء میں اس پر پابندی لگادی گئی لیکن ان کی سرگرمیاں احتیاط کے ساتھ اب بھی جاری ہیں۔

۱۹۷۰ء میں ملائشیا میں چینی اور دیگر غیر ملائی مسلمانوں کے بارے میں ایک بحث اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ وہ لوگ تھے جو برسوں سے ملائشیا میں مقیم تھے اور اسلام قبول کرکے انہوں نے شہریت کیلئے آئین کی تینوں شرائط پوری کردی تھیں۔ انہیں شہریت دینے کے سب سے بڑے حمایتی تنکو عبدالرحمٰن تھے جو ملائشیا کے پہلے وزیراعظم اور ملائی مسلم ویلفیئر لیگ کے بانی تھے۔ ان کی کوششیں ناکام ہوئیں اور ان نئے مسلمانوں کو "نئے رفیق" (New Associates) کا نام دیا گیا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا دوسرے درجے کی شہریت کا ایک نام تھا۔ ملائی نسل کے شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے سے غیر ملائی اور ملائی شہریوں کے درمیان ایک تناؤ پیدا ہوا ہے اور اس میں دکواہ تنظیموں کو قبولیت حاصل ہوئی ہے جو قومیت کا وسیع تر تصور پیش کرتی ہیں۔ ان میں کچھ تنظیموں نے مولانا مودودی کے نظریات اپنا رکھے ہیں۔

ملائشی سیاست میں دین اسلام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حکمران جماعت (UMNO) اور اپوزیشن پارٹی پاس (PAS)' دونوں کو عام لوگوں کے جذبات کا احساس ہے اور وہ علماء کے گروہوں کو ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حال ہی میں حکومت نے ایک ادارہ انسٹی ٹیوٹ فار اسلامک انڈر سٹینڈنگ (IKIM) قائم کیا ہے جس کا مقصد ایک طرف عوام کو یہ یقین دلانا ہے کہ حکومت کی ترقی کیلیئے کی جانے والی تمام کوششیں اسلامی دائرہ کے اندر ہیں اور دوسری طرف بین الاقوامی سرمایہ کاروں کو یہ یقین دلانا کہ ملائشیا کا اسلام مشرق وسطیٰ یا شمالی افریقہ جیسا اسلام نہیں ہے۔ وزیرِ اعظم نے ایک اسلامک پریس ایجنسی' اور "صور اسلام" کے نام سے ایک ریڈیو کی تجویز بھی پیش کی ہے جو اسلام کو جدید انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرے۔

خود کو جدید نظریات کا حامل قرار دینے کیلیئے سرکاری طور پر خواتین کی تعلیم کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جاتی ہے بلکہ انہیں اعلیٰ تعلیم کیلیئے باہر بھی بھیجا جاتا ہے۔ ۱۹۷۰-۸۰ء کے دوران بہت سی خواتین بیرون ملک گئیں اور آج وہ بہت سے حکومتی شعبوں' کارخانوں' یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں تعینات ہیں۔ سرکاری طور پر مکمل پردے کی ممانعت ہے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں ایک خلفشار برپا رہتا ہے کیونکہ بہت سی کارکن خواتین مکمل پردے کی حامی ہیں۔

حکومت نے حال ہی میں بڑے کروفر اور زبردست اشتہاری مہم کے ساتھ ایسے منصوبے شروع کئے ہیں جن سے وہ عوام کو یہ باور کراسکیں کہ وہ سیکولر نظریات کی بجائے اسلامی نظریات کی علمبردار ہے۔ ان میں اسلامی بنک' اسلامی انشورنس کمپنی (تکفل) بچت برائے حج سکیم اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی شامل ہے جہاں ملائی زبان کی بجائے عربی اور انگریزی میں تعلیم دی جاتی ہے۔

حکومت کی طرف سے دین سے دلچسپی کے مظاہروں کی بڑی وجہ اپوزیشن پارٹی "پاس" ہے جو دیہی علاقوں خاص طور پر شمالی ریاستوں کیداح' ٹرینگانو اور کیلنتان میں خاص مقبول ہے۔ اس کے سربراہ استاذ نائک عبدالغریز حاجی نائک مات ہیں۔ یہ جماعت معاشی ترقی کی مخالف نہیں ہے لیکن اس کیلیئے اختیار کئے جانے والے ذرائع پر نکتہ چینی کرتی رہتی ہے۔ دفتروں اور کارخانوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواتین کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ان کے نزدیک خلاف شرع ہے۔ خواتین کیلئے وہ مکمل پردے پر زور دیتے ہیں۔ ملائی اور غیر ملائی مسلمانوں کے درمیان کشمکش میں وہ نسلی امتیاز کے مخالف ہیں۔ دنیا کی دیگر اسلامی تحریکوں سے ان کا رابطہ ہے۔ ان کے وفد ایران' ازبکستان اور جنوب مغربی چین بھی جاتے رہتے ہیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹے' تو بوسنیا کے مہاجرین کو اپنے ہاں بسانے کی سب سے پہلی پیشکش انہی کی طرف سے ہوئی۔ ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے حکومت نے بھی مجبور ہو کر اپنے تجارتی وفد ایران' ازبکستان اور چین بھیجے۔ بوسنیا میں امن کے قیام کے لیے اپنے فوجی بھجوائے اور وہاں کے کئی خاندانوں کو اپنے ہاں پناہ دی جو ابھی تک وہیں مقیم ہیں اور تعلیم و تعلم یا تجارت میں مشغول ہیں۔

ملائشیا میں اقتدار کی تکون کے تینوں فریقوں یعنی شاہی خاندان' دنیاوی حکمران اور دینی علماء کے درمیان کشمکش ایک نیا رخ اختیار کر رہی ہے۔ آئین کے مطابق بادشاہ یا کسی بھی ریاست کے سلطان کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ چونکہ شاہی خاندان اور حکومتی سربراہ کے درمیان اختیارات کی تقسیم واضح نہیں ہے اس لئے بعض اوقات دونوں کے درمیان بعض معاملات پر اختلاف رائے اچھے بھلے تنازعے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مثلاً ۱۹۹۳ء میں وزیر اعظم مہاتیر اور سلطانوں کے درمیان زبردست چپقلش ہوئی۔ یہ وہ موقع تھا جب تمام سلطان اپنے مفادات کے تحفظ میں متحد ہو گئے۔ لیکن علماء کی طرف سے خلفائے راشدین کی مثالوں کے حوالے سے موقف اختیار کیا گیا کہ سلطانوں کیلئے لامحدود اختیارات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ روایتی طور پر ملائشیا میں بادشاہ ملائی مذہب کا سربراہ ہوتا ہے۔ بادشاہ اور راجاؤں نے اس روایتی پوزیشن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور عوام کو دعوت دی کہ وہ نماز جمعہ ان کے ساتھ شہروں کی بڑی مسجدوں میں ادا کریں اور روزہ ان کے ساتھ محلوں میں افطار کریں۔

حکومت کو ایک طرف تو شاہی خاندان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے اور دوسری طرف ملک کے دینی مزاج کی خاطر اپوزیشن پارٹی "پاس" اور شرعی عدالتوں کے فیصلوں کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ تاہم حکمران پارٹی کیلئے "پاس" ارقم یا دیگر مذہبی پارٹیوں کی نسبت ان سے تعلقات بنانے زیادہ آسان ہیں۔ اس طرح ملائشیا صنعتی ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کے ساتھ ساتھ سیکولر اور مذہبی جماعتوں کی کشمکش اور نسلی اور آفاقی نظریات کی ایک دلچسپ آماجگاہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراکش میں انتخابی جمہوریت کا آغاز؟ ریفرنڈم ۱۹۹۶ء 18

گریگوری وائٹ*

۱۳ ستمبر ۱۹۹۶ء کو مراکش کے دستور کی تبدیلی اور براہ راست منتخب ہونے والے نمائندوں پر مشتمل ایوان کی تشکیل کے لئے جو ریفرنڈم منعقد ہوا وہ مراکش کی تاریخ میں خاص اہمیت کا حامل ہے، نہ صرف اس لئے کہ اس میں بظاہر قومی اتفاق رائے کار فرما تھا بلکہ اس لئے بھی کہ اس کی بدولت نئی بحثیں شروع ہوئیں اور مزید نئی تبدیلیوں کی راہ ہموار ہوئی۔ اس طرح شاہ حسن دوم نے دوایوانی مقننہ کے قیام سے مخالف جماعتوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کردیا۔ دو بڑی مخالف جماعتیں یعنی سوشلسٹ یونین آف پاپولرفورسز (USFP) اور استقلال پارٹی سالہا سال سے ایک جمہوری طریقے سے منتخب ایوان کی ضرورت پر زور دے رہی تھیں تاکہ ایسی حکومت وجود میں آسکے جو عوام کے سامنے جوابدہ ہو لیکن شاہ حسن کے تازہ اقدام نے مخالف جماعتوں کو سخت مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ جماعتیں کل تک حکومت پر تنقید کرکے مقبولیت حاصل کررہی تھیں لیکن اب خود انہیں تنقید کا نشانہ بننا پڑے گا۔ حکومت پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ بادشاہت غیر جمہوری ادارہ ہے اور وہ شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا عادی ہے۔

حالیہ ریفرنڈم کے نتیجے میں دستور میں جو تبدیلی ہوئی ہے اس نے اس تنقید کی بنیاد ہی کو ختم کردیا ہے۔ اس ریفرنڈم نے بین الاقوامی سطح پر بھی موافق اثرات پیدا کئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں یورپ کے ساتھ مراکش کے تعلقات بہتر ہوں گے۔ بنیادی حقوق کے حوالے سے مراکش پر ہونے والی تنقید کی شدت کم ہوگی اور اس بنا پر یورپی یونین' مراکش کی اقتصادی امداد کے اجرا پر آمادہ ہو جائے گی اور اس طرح مراکش میں معاشی ترقی کی راہ ہموار ہو گی۔ یہ توقع بھی کی جارہی ہے کہ منتخب ایوان نمائندگان وجود میں آنے سے مراکش میں نئے سیاسی دور کا آغاز ہو گا۔ ملک میں پائی جانے والی معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی اور مزید سیاسی اور معاشی اصلاحات کی راہ ہموار ہوگی۔

(تلخیص : ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

*Gregory White, Middle East Journal, Summer 1997

© rasailojaraid.com